Hazara Islamicus, Vol.:10, Issue: 01,Jan-June 2021
PP:99-108

OPEN ACCESS
Hazara Islamicus
ISSN (Online): 2410-8065
ISSN (Print): 2305-3283
www.hazaraislamicus.com

علامہ شبلی نعمانیؒ کی کتاب سیرۃ النبی ﷺ کا تنقیدی جائزہ

Sirat-un-Nabi by Shibli Numani a Critical Review

Dr. Sajjad Ali
Islamic Studies Lecturer PICO, Hayatabad Medical Complex, Peshawar

Dr. Muhammad Anwar
Assistant Professor, Sheikh Zyed Islamic Center, Peshawar

Abstract

"Sirat-un-Nabi" by Allama Shibli's is a well-known book in the Prophet's biography written in Urdu language. It narrates the whole events of the life of Muhammad (PBUH) from birth to death. It sheds light on the various aspects of Prophet's life. He has described all these events in a very pleasant and scholarly manner. However, in the selection of certain events, he deviated from the opinions and views of the majority of Muslim scholars and has adopted the distinction which needs more research. This study indicates such types of events and affairs mentioned it the said book, it will help the students and scholars of Islamic Studies to distinguish between the truthful and untruthful events and identify those false trials attribute to the life of Prophet (PBUH) life.

Key Words: *Allama Shible, Sirat-un-Nabi, Muhammad, Biography.*

مولانا شبلی نعمانیؒ نے سیرۃ النبی ﷺ پر ایک کتاب لکھی ہے۔اور اسکے ابتدا میں ایک مقدمہ قائم کیا۔جس میں آپ نے سیرت اور مغازی کے آغاز اور ارتقاء پر سیر حاصل بحث کی۔اور جن حضرات کی کاوشوں سے یہ فن پروان چڑھا۔آپ نے اُنکے جہود کو سراہا۔اوراسکے ساتھ ساتھ انکے اسلوب اور کام کو نقد کے ترازو سے بھی ماپا۔اور پھر اسکے نتیجے میں اگر کسی کام میں کوئی سقم پایا جاتا تھا۔تو اسکو قاری کتاب کے سامنے رکھ دیا۔آپ نے نقل حدیث کیلئے اصول روایت و درایت مقرر کئے اور پھر مختلف ائمہ حدیث کے اقوال نقل کرکے اسکی تائید کی۔مثلاایک جگہ پر آپ نے کہا۔کہ

> "ابن الجوزی نے کہاہے کہ جس حدیث کو دیکھو کہ عقل یا اصول مسلمہ کے خلاف ہے۔تو جان لو کہ وہ مصنوعی ہے۔اسکی نسبت اس بحث کی ضرورت نہیں کہ اسکے راوی معتبر ہیں۔یا غیر معتبر۔اسی طرح وہ حدیث معتبر نہیں جو محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو یا نص کتاب اور سنت متواترہ اور اجماع قطعی کے خلاف ہو اور تاویل کی گنجائش نہ رکھتی ہو"[1]۔

CC BY

اسی طرح آپ نے بعض مصنفین سیرت نگاروں کے اس تساہل پر بھی تنبیہ کی۔ کہ انہوں نے سیرت النبی ﷺ کی تدوین میں ہر طرح کے رطب ویابس کو جمع کر دیا ہے۔ اور تحقیق و تنقیح کا جو معیار ائمہ حدیث کے مابین متفق علیہ تھا۔[2] اسکو صرف ان احادیث کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔ جو صرف فقہی احکام سے متعلق تھے۔

"سیرت کی کتابوں کی کم پائیگی کی بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ تحقیق اور تنقید کی ضرورت احادیث احکام کے ساتھ مخصوص کردی گئی ہے۔ یعنی وہ روایتیں تنقید کی زیادہ محتاج ہیں۔ جن سے شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں۔ باقی جو روایتیں سیرت اور فضائل سے متعلق ہیں۔ ان میں تشدد اور احتیاط کی چنداں ضرورت نہیں"[3]۔

اسی طرح مولانا شبلیؒ نے اُن علماء پر بھی سخت جرح کی۔ کہ جنھوں نے متداول اصول بابت صحۃ الحدیث سے ہٹ کر، کسی کمزور اور ضعیف روایت کو صحیح کہا ہو۔ مثلا حاکم کے بارے میں کہا۔ کہ انہوں نے مستدرک میں بہت سی ایسی حدیثیں ذکر کی ہیں۔ کہ جن کو حاکم نے صحیح کہا ہے۔ حالانکہ وہ ائمہ کے نزدیک موضوع ہیں۔ اور پھر ایک حدیث نقل کی۔ کہ جس پر امام حاکم نے حدیث صحیح کا حکم لگایا ہے۔ اور کہا کہ

"جب حضرت آدمؑ سے خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے کہا۔ اے خدا! میں تجھ کو محمد ﷺ کا واسطہ دیتا ہوں۔ کہ میری خطا معاف کر دے۔ خدا نے کہا! تم نے محمد ﷺ کو کیونکر جانا۔ تو حضرت آدمؑ نے کہا۔ کہ میں نے سر اٹھا کر عرش کے پایوں پر نظر ڈالی تو یہ الفاظ لکھے ہوئے دیکھے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ تو اس سے میں نے قیاس کیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ جس شخص کا نام ملایا ہے۔ وہ ضرور تجھ کو محبوب ترین خلق ہو گا۔ خدا نے کہا آدم! تم نے سچ کہا اور محمد ﷺ نہ ہوتے۔ تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا"۔[4]

مولانا شبلی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد، اس پر جرح کی اور تائید میں علامہ ابن تیمیہ کا کلام نقل کیا۔ کہ انہوں نے کہا ہے۔ کہ

"حاکم کا اس قسم کی حدیثوں کو صحیح کہنا، ائمہ حدیث نے اس پر انکار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ حاکم بہت سی جھوٹی اور موضوع حدیثوں کو صحیح کہتے ہیں"۔[5]

لہٰذا احادیث کے صحت اور سقم کے معیار کو سامنے رکھتے ہوئے، متعدد سیرت کی کتابوں اور ہزاروں صفحات کا جائزہ لینے کے بعد، اور کئی سالوں کی انتھک محنت کے بعد مولانا شبلیؒ نے سیرت میں "سیرۃ النبی ﷺ" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔ کہ جس میں انہوں نے آپ ﷺ کے حیات طیبہ مبارکہ کے مختلف پہلو کو صحیح احادیث کی روشنی میں اجاگر کیا۔ اور اِن میں اُن روایات اور قصص پر رد کیا۔ کہ جن کو واعظین نے بغیر کسی تحقیق کے، آپ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

البتہ بعض جگہوں پر، مولانا شبلیؒ نے انتہائی مستند اور قابل اعتبار مرویات کو بھی متروک اور واہیات کے قبیل سے قرار دیا ہے۔ مثلاً آپ ﷺ کے پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ

"جس قدر تحقیق، تنقید کا درجہ بڑھتا جاتا ہے۔ مبالغہ آمیز روایتیں گھٹتی جاتی ہیں۔ مثلا یہ روایت کہ جب آنحضرت ﷺ عالم وجود میں آئے۔ تو ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر پڑے، آتش فارس بجھ گئی، بحیرہ طبریہ

خشک ہوگیا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم بلکہ صحاح ستہ کی کسی کتاب میں اسکا پتہ نہیں"۔ [6]

یہ اس حدیث کے موضوع ہونے کی عجیب دلیل ہے۔ کہ امام بخاری اور امام مسلم نے اپنے صحیحین میں بلکہ صحاح ستہ میں سے کسی نے بھی اسکو اپنی کتاب میں ذکر نہیں کیا۔ بلاشبہ امام بخاری اور امام مسلم نے اپنے صحیحین میں صحت کا بھرپور التزام کیا ہے۔ مگر ان حضرات نے کبھی بھی تمام احادیث صحیحہ کے استیعاب کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی کہیں کوئی ایسا قول ان سے یا کسی اور محدث سے منقول ہے۔ کہ صحیحین یا صحاح ستہ کے علاوہ کوئی حدیث صحیح اور قابل اعتبار نہیں۔ بلکہ کتب اصول میں امام بخاری اور امام مسلم سے اسکے برعکس اقوال منقول ہیں۔

"امام بخاری اپنی کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں۔ کہ میں نے جو احادیث اس کتاب میں ذکر کی ہیں۔ وہ صحیح ہیں۔ لیکن بہت سی صحیح احادیث میں نے چھوڑ دی ہیں۔ اسی طرح امام مسلم [7] نے بھی اپنی کتاب کے بارے میں فرمایا ہے۔ کہ جو احادیث میں نے اس کتاب میں ذکر کی ہیں۔ وہ صحیح ہیں۔ لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ جو احادیث میں نے چھوڑ دی ہیں۔ وہ ضعیف ہیں۔" [8]

اسی طرح کسی حدیث کا صحاح ستہ میں نہ ہونا، یہ بھی کسی محدث بلکہ کسی بھی عالم کے نزدیک حدیث کے موضوع ہونے کی دلیل نہیں۔ بلکہ خود علامہ شبلیؒ نے بھی اپنی سیرت کی کتاب میں بہت سی ایسی روایات ذکر کی ہیں۔ جو نہ ہی صحیح بخاری میں ہیں۔ اور نہ ہی صحیح مسلم میں ہیں۔ بلکہ صحاح ستہ کے کسی کتاب میں بھی نہیں ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ اصول نقد خود انہی کے نزدیک بھی معمول بہ اور مقبول نہیں۔

<u>حدیث بالا کا علمی جائزہ:</u> "آپ ﷺ کے پیدائش کے وقت ایوان کسریٰ میں ایسا زلزلہ آیا۔ کہ اس محل کے چودہ کنگرے گر گئے۔ اور فارس کا آتش کدہ جو ہزاروں سال سے روشن تھا۔ وہ بجھ گیا۔ اور دریا ساوہ کا پانی خشک ہوگیا"۔ اس حدیث کو حافظ ابن سید الناس [9] نے اپنی کتاب عیون الاثر میں اپنی طویل سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور اسی سند کے ساتھ ابن جریر طبری [10] نے بھی اپنی تاریخ میں اسکو ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ابن سکن نے بھی اسی روایت کو اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ چناچہ علامہ ابن حجر نے الاصابہ میں فرمایا ہے۔ کہ

"ابن سکن نے اسے یعلی بن عمران کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ جو اسے مخزوم بن ہانی سے اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں۔ کہ آپ ﷺ کے پیدائش کی رات ایوان کسریٰ میں زلزلہ آیا۔ اور چودہ کنگرے گر گئے۔ الخ" [11]

ابو مخزوم ہانی کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ ابو الولید بن دباغ نے ابو مخزوم ہانی کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ [12] اسی طرح علامہ ابن حجر [13] نے اس واقعے کو سعید بن مزاحم کے واسطے سے بھی ذکر کیا ہے۔ جو اسے معروف بن خربوذ سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ بشر بن تمیم سے نقل کرتے ہیں۔ کہ آپ ﷺ کے پیدائش کی رات۔۔۔ الخ"۔ اور اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔

اس سند کا پہلا راوی سعید بن مزاحم ہے۔ جس سے ابو داود اور نسائی نے روایت لی ہے۔ اور دوسرا راوی معروف بن

خربوذ ہے۔ جن سے بخاری و مسلم و ابوداود نے روایت لی ہے۔ اسکا تیسرا راوی بشر بن تمیم ہے۔امام ابن ابی شیبہ نے بشر بن تمیم کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔البتہ علامہ ابن حجر[14] نے اس روایت پر مرسل کا حکم لگایا ہے۔

الحاصل یہ روایت بقول امام ابن ابی شیبہ مرفوع متصل ہے۔ اور اگر بقول علامہ ابن حجر اسکو مرسل بھی مان لیا جائے۔تب بھی اسکی سند صحیح ہے۔اور حدیث مرسل امام ابو حنیفہ اور امام مالک اور امام احمد کے مشہور قول کے مطابق حجت اور قابل اعتبار ہے۔ نیز علامہ ابن حجر نے اصابہ میں اس روایت پر مرسل کا حکم لگایا ہے۔ لیکن شرح بخاری میں اسکو ذکر کرکے سکوت فرمایا ہے۔[15] اور انکا شرح بخاری میں کسی حدیث پر سکوت فرمانا، اس حدیث کے صحیح اور علی الاقل حسن ہونے کی دلیل ہے۔ جیسا کہ خود علامہ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں اسکی تصریح کر دی ہے۔

بحیرا راہب کا واقعہ: آپ ﷺ جب بارہ سال کے ہوئے۔تو جناب ابو طالب نے سفر شام کا بغرض تجارت ارادہ فرمایا۔اس دوران آپ ﷺ بھی اپنے چچا کے ہمراہ اس سفر پر روانہ ہوگئے۔ یہ تجارتی قافلہ جب بصریٰ کے قریب پہنچا۔ تو وہاں پر جرجیس نامی راہب رہتا تھا۔اس نے جب آپ ﷺ کو دیکھا۔ تو آپ ﷺ میں علامات آخر الزماں[16] کو دیکھ کر پہچان لیا۔ اسکے بعد ابو طالب نے راہب کے پر زور اصرار پر، آپ ﷺ کو ابوبکر اور بلال کے ہمراہ مکہ واپس روانہ کر دیا۔ کہ کہیں رومی اسمیں علامات نبوت کو پہچان کر نقصان نہ پہنچا دیں۔[17]

حدیث بالا پر علامہ شبلی کا تجزیہ: علامہ شبلیؒ واقعہ بالا پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔کہ

> "حقیقت یہ ہے۔کہ یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔اس روایت کے جس قدر طریقے ہیں۔ سب مرسل ہیں۔اسلئے کہ اخیر راوی ابو موسی اشعری ہیں۔اور وہ شریک واقعہ نہ تھے۔نیز اس روایت میں مذکور ہے۔کہ حضرت بلال اور ابوبکر بھی اس سفر میں آپکے ہمراہ تھے۔ حالانکہ اس وقت بلال کا وجود بھی نہ تھا۔اور ابوبکر بچے تھے۔امام ترمذی نے اسکو حسن غریب کہا ہے۔اور حسن کا مرتبہ صحیح سے کم ہوتا ہے۔اور جب غریب ہو۔ تو اسکا رتبہ اس سے بھی گھٹ جاتا ہے۔اگرچہ حافظ ابن حجر نے رواۃ پرستی کی بناء پر اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے۔لیکن چونکہ حضرت بلال اور ابوبکر کی شرکت بداہتہ غلط ہے۔اس لئے مجبوراً اقرار کرتے ہیں۔کہ اس قدر حصہ غلطی سے روایت میں شامل ہوگیا ہے"[18]۔

حدیث بالا کا علمی جائزہ: امام ترمذی[19] نے اسکو حسن غریب کہا ہے۔[20] امام حاکم فرماتے ہیں۔[21] کہ روایت بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے۔ اور جلال الدین سیوطی[22] فرماتے ہیں۔کہ اس قصہ کے کئی شواہد ہیں۔جو اسکی صحت پر دلالت کرتے ہیں۔اور علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔[23] کہ اسکے تمام راوی صحیح بخاری کے ہیں۔اور ثقہ ہیں۔امام سخاوی فرماتے ہیں۔کہ اس روایت میں ابوبکر اور بلال کو ساتھ بھیجنے کا ذکر غلطی سے ہوا ہے۔لہٰذا یہ کہا جائے گا۔کہ صرف ابوبکر اور بلال کو ساتھ بھیجنے کا ذکر اس روایت میں مدرج ہے۔

یہ حدیث مسند بزار[24] میں ہے۔ لیکن اسمیں "بلال" کی جگہ پر "رجل" کا ذکر ہے۔امام جزری فرماتے ہیں[25]۔کہ اس

حدیث کی سند صحیح ہے۔اسکے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔البتہ بلال اور ابو بکر کا ذکر اسمیں راوی کا وہم ہے۔علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔کہ ترمذی کی سند قوی ہے۔اور بظاہر وہم ایک دوسری روایت سے ہوگیا ہے۔جو ابن عباس سے مروی ہے۔کہ آپ ﷺ نے بیس سال کی عمر میں شام کا سفر فرمایا۔ جسمیں ابو بکر بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔اس سفر میں ابو بکر کی عمر اٹھارہ سال تھی۔اور اسمیں بھی آپ ﷺ کی راہب سے ملاقات ہوئی۔لہٰذا اس روایت سے راوی کو غلط فہمی ہوئی۔اور دونوں واقعات کے متقارب ہونے کی بناء پر، آپ ﷺ کے پہلے سفر شام کے واقعے میں بھی ابو بکر کو ذکر کردیا گیا۔

خلاصہ کلام: چونکہ اس واقعے کے تمام راوی ثقہ اور صحیح بخاری کے راوی ہیں۔اور اسکے کئی شواہد بھی موجود ہیں۔لہٰذا یہ حدیث قابل استدلال ہے۔البتہ ابو بکر اور بلال کا تذکرہ اسمیں مدرج ہے۔جو کسی راوی سے سہوا دیگر واقعات سے التباس کی بناء پر سرزرد ہوا ہے۔اور ایک کلمہ یا جملہ کے اندراج سے پوری حدیث کو ضعیف قرار نہیں دیا جاسکتا۔نیز ابو موسیٰ اشعری صحابی ہیں۔ اور صحابہ کا ارسال باتفاق محدثین مقبول ہے۔کیونکہ حدیث کے صحیح ہونے کیلئے صحابی تک تمام راویوں کا ثقہ ہونا ضروری ہے۔

قصہ ابراہیمؑ: حضرت ابراہیمؑ کی قوم بت پرستی کے ساتھ ساتھ چاند، ستاروں اور سورج کی بھی عبادت کیا کرتے تھے۔انکے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کے مناظرے کو قرآن میں نقل کیا گیا ہے۔چناچہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ (تمہارے زعم کے موافق) یہ سورج، چاند اور ستارے میرے (اور تمہارے) رب ہیں۔حالانکہ یہ تو غائب ہو جاتے ہیں۔[26]

علامہ شبلیؒ حضرت ابراہیمؑ کے اس واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔کہ

"حضرت ابراہیمؑ نے ستاروں کو دیکھا۔تو چونکہ تجلی کی جھلک تھی۔دھوکا ہوا۔چاند نکلا تو اور بھی شبہ ہوا۔ آفتاب پر اس سے زیادہ (شبہ) ہوا۔لیکن جب سب نظروں سے غائب ہوئے۔تو بے ساختہ پکار اٹھے۔کہ اني لا أحب الأفلين یعنی میں غائب ہونے والے (چیزوں) کو پسند نہیں کرتا"۔[27]

توضیح قصہ: حضرت ابراہیمؑ کو اپنے رب کی معرفت میں دھوکہ نہیں لگا۔معاذاللہ! انبیاء کرام کو اللہ کی ذات وصفات میں کبھی بھی دھوکہ نہیں لگتا۔اور حضرت ابراہیمؑ کو تو تمام انبیاء میں ایک امتیازی شان حاصل ہے۔اللہ پاک نے آپکو تمام آسمانوں اور زمینوں کا مشاہدہ کروایا تھا۔[28] اور آپکو موقینین میں سے شمار فرمایا تھا۔آپکو خوب معلوم تھا۔کہ یہ سب اللہ کے حکم کے سامنے تابع ہیں۔اور یہ میرے رب نہیں ہیں۔بلکہ آپکا یہ تمام کلام بطور مناظرہ تھا۔[29]

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں۔کہ "ابراہیمؑ ہوش سنبھالتے ہی کے وقت سے توحید کے عارف و محقق تھے"[30]۔اور مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں۔کہ "ابراہیم کا هٰذَا رَبِّی کہنا یا تو استفہام انکاری کے لہجے میں ہے یعنی کیا یہ ہے رب میرا؟ اور یا بطریق تہکم وتبکیت ہے۔یعنی یہ ہے رب میرا تمہارے عقیدہ اور گمان کے موافق"۔[31]

وفات ابی طالب: امام بخاری نے جناب ابوطالب کے وفات کے واقعے کو یوں نقل فرمایا ہے۔کہ

"ابوطالب کے وفات کے وقت آپ ﷺ انکے پاس تشریف لے گئے۔ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی وہاں موجود تھے۔آپ ﷺ نے اپنے چچا سے کہا۔کہ آپ لا إله إلا الله کہہ لیجئے۔تاکہ اسکی وجہ

سے میں اللہ کے دربار میں اسکے ایمان کی شہادت دے سکوں۔ تو ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے آپ سے کہا۔ کہ کیا آپ عبد المطلب کے دین سے پھر رہیں ہیں۔ اسکے بعد مسلسل ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ، ابو طالب سے گفتگو کرتے رہیں۔ یہاں تک کے آخری کلمہ جو ابوطالب کے منہ سے نکلا۔ وہ یہ تھا۔ علی ملة عبد المطلب۔ اسپر آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ میں اسکے لئے دعائے مغفرت کرتا رہونگا۔ جب تک اللہ کی جانب سے میں منع نہ کر دیا جاؤں تو آیت[32] اتری کہ! نبی اور مسلمانوں کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ وہ مشرکین کیلئے دعائے مغفرت کریں۔ اگرچہ وہ انکے رشتہ دار ہوں۔ باوجود اسکے کہ انپر انکا جہنمی ہونا واضح ہو چکا ہو۔ اسی طرح یہ آیت[33] بھی اتری کہ! کہ آپ ہدایت نہیں کرسکتے۔ جسکو آپ چاہے۔ البتہ اللہ ہدایت کرتا ہے۔ جسکو اللہ چاہے۔"[34]

علامہ شبلیؒ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ

"ابن اسحاق کی روایت ہے۔ کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباس (جو اس وقت تک کافر تھے) نے کان لگا کر سنا۔ تو آپ ﷺ سے کہا کہ آپ نے جس کلمہ کیلئے کہا تھا۔ ابوطالب وہی کہ رہے ہیں۔ اس بناء پر ابوطالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے۔ لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموما صحیح مانی جاتی ہے۔ اسلئے محدثین زیادہ تر انکے کفر ہی کے قائل ہیں۔ لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چنداں قابل حجت نہیں۔ کہ اسکے اخیر راوی مسیب ہیں۔ جو فتح مکہ میں اسلام لائے۔ اور ابوطالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے۔ لہذا یہ روایت مرسل ہے اور ابن اسحاق کی روایت میں بھی عباس بن عبداللہ بن معبد اور عبداللہ بن عباس کے مابین ایک راوی نہیں۔ لہذا بخاری اور ابن اسحاق دونوں کی روایتوں کے درجہ استناد میں چنداں فرق نہیں۔ نیز ابوطالب نے آپ ﷺ کیلئے جو جانثاریاں کیں۔ اس سے کون انکار کرسکتا ہے۔ آپ ﷺ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا۔ آپ ﷺ کی خاطر محصور ہوئے۔ فاقے اٹھائے۔ کیا یہ جان نثاریاں ضائع جائیں گی"[35]۔

<u>قصہ بالا کا علمی جائزہ</u> جناب ابوطالب کے وفات کے واقعے کو امام بخاری[36] اور امام مسلم[37] دونوں نے اپنے صحیحین میں نقل فرمایا ہے۔ انکے علاوہ دیگر محدثین[38] نے بھی اسکو اپنی سند سے نقل کیا ہے۔ اس واقعہ کو نقل کرنے والے مسیب بن حزن ہیں۔ جو کہ سعید بن المسیب کے والد اور صحابی رسول ہیں۔ لہٰذا یہ روایت مرسل صحابی ہے۔ اور مراسیل صحابہ محدثین کے مابین حجت ہیں۔[39] کیونکہ بیشتر واقعات ایسے صحابہ سے منقول ہیں۔ کہ وہ خود اُس واقعہ کے حدوث کے وقت موجود نہیں تھے۔ جسکو وہ بیان کرتے ہیں۔

اسکے ساتھ ساتھ دیگر ایسے شواہد بھی موجود ہیں۔ جو مسیب بن حزن کی روایت کی صحت پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً امام بخاری نے عباس ہی کے واسطے سے ایک حدیث نقل کی ہے۔ کہ انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ:

"کیا آپ نے ابوطالب کو کچھ فائدہ پہنچایا ہے۔؟ کیونکہ وہ آپکے حامی اور مددگار تھے۔ تو آپ ﷺ نے

فرمایا! ہاں، وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے۔ اگر میں نہ ہوتا۔ تو جہنم کی تہہ میں ہوتے "[40]۔

اسکے برعکس ابن اسحاق کی روایت منقطع[41] ہے۔ کیونکہ عباس بن عبداللہ بن معبد اور عبداللہ بن عباس کے مابین سلسلہ سند متصل نہیں ہے۔ اور منقطع[42] روایت قابل حجت نہیں بلکہ ضعیف ہے۔ کیونکہ روایت کی صحت کیلئے تمام رواۃ کا عادل اور ضابط ہونا ضروری ہے۔ جسکو لفظ " ثقہ " سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن جب سرے سے راوی ہی معدوم ہو۔ تو اسکی عدالت اور ضبط کہاں سے معلوم ہو گی۔

نیز دو مرویات کے مابین تعارض اور ٹکراؤ اس وقت تسلیم کیا جائے گا۔ جبکہ دونوں مرویات باعتبار صحت کے ہم پلہ ہوں۔ جبکہ یہاں پر امام بخاری اور امام مسلم کی روایت صحت کے اعلی معیار پر ہے۔ اور اسکے برعکس ابن اسحاق کی روایت ضعیف ہے۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

علامہ شبلیؒ نے اپنی اسی کتاب سیرۃ النبی ﷺ کے مقدمے میں حجیت حدیث کیلئے جو اصول روایت و درایت مقرر کئے ہیں۔ اسکی رُو سے بھی ابن اسحاق کی روایت مردود ہے۔ مثلاً آپ نے کہا۔ کہ

"محمد بن اسحاق یہود و نصاری سے روایت کرتے تھے۔ اور انکو ثقہ سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے انکے متعلق محدثین کا اختلاف رہا۔ اور اسی وجہ سے امام مالک اپکے سخت مخالف تھے "[43]۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ:

"تاہم آپ قابل اعتبار ہیں۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ آپکا مستند ہونا، آپکی تصنیفات کے مستند ہونے پر چنداں اثر نہیں ڈالتا۔ اسلئے کہ آپ جو کچھ بیان کرتے ہیں۔ دیگر راویوں کے ذریعہ سے بیان کرتے ہیں۔ اور آپکے بہت سے رواۃ ضعیف الروایہ اور غیر مستند ہیں۔ اسکے علاوہ آپکی اصلی کتاب موجود نہیں۔ ابن ہشام نے آپکی کتاب کو ترتیب اور تہذیب کے بعد جس صورت میں بدل دیا ہے۔ وہی آج موجود ہے۔ اور ابن ہشام نے ابن اسحاق کی کتاب کو زیاد بکائی کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔ اور بکائی محدثین کے اعلی مقام سے فروتر ہیں۔ ابن مدینی کہتے ہیں۔ کہ بکائی ضعیف ہے۔ اور میں نے اسکو ترک کر دیا۔ اور ابو حاتم کہتے ہے۔ کہ استناد کے قابل نہیں۔ اور نسائی کہتے ہیں۔ کہ ضعیف ہے "[44]۔

کتب سیرت میں بعض واقعات کا غلط اندراج: اسی طرح علامہ شبلی ایک جگہ فرماتے ہیں۔ کہ " سیرت اور احادیث کی کتب میں بعض واقعات میں اختلاف نظر آتا ہے۔ مثلاً یہ امر کہ جب آپ ﷺ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے گئے۔ تو لڑائی کا سلسلہ کس کی طرف سے شروع ہوا۔؟ تمام ارباب سیر اور مؤرخین کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ خود آپ ﷺ نے ابتدا کی، لیکن سنن ابی داؤد میں صاف اور صریح حدیث موجود ہے۔ کہ جنگ بدر سے پہلے کفار مکہ نے عبداللہ بن ابی کو یہ خط لکھا تھا۔ کہ تم نے محمد ﷺ کو اپنے شہر میں پناہ دی ہے۔ انکو نکال دو۔ ورنہ ہم خود مدینہ آکر تمہارا اور محمد ﷺ دونوں کا استیصال کر دیں گے "۔ اس خط کا اور مدینہ پر چڑھائی کا واقعہ سرے سے سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں ذکر موجود نہیں۔ لہٰذا مصنفین سیرت نے اس نکتہ کو سمجھا۔ اور جب احادیث کی زیادہ چھان بین کی۔ تو انکو تسلیم کرنا پڑا۔ کہ سیرت کی کتابوں میں بہت سی

روایتیں، صحیح حدیثوں کے خلاف درج ہو گئی ہیں۔ لیکن چونکہ انکی تصنیفات پھیل چکی تھی۔ لہٰذا اصلاح نہ ہو سکی "[45]۔

مذکورہ بالا کلام کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے۔ کہ ایمان ابی طالب کے بارے میں ابن اسحاق کی جو روایت منقول ہے۔ وہ ضعیف ہے۔ اور احادیث صحیحہ مشہورہ سے متعارض ہونے کی بناء پر نا قابل اعتبار ہے۔

خلاصہ کلام: ایمان کیلئے صرف محبت اور جانثاری کافی نہیں۔ بلکہ نبوت و رسالت اور وحدانیت باری تعالیٰ کی تصدیق وشہادت ضروری ہے۔ اور اسکے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ حضرت علی سے روایت ہے۔ کہ " جب ابو طالب وفات پاگئے۔ تو میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا۔ کہ آپکا گمراہ چچا مر گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! جاؤ دفن کرکے آؤ"۔[46]

اہم نتائج:

- علامہ شبلیؒ کی کتاب سیرت النبی ﷺ ایک گراں قدر اور دقیق علمی مباحث پر مشتمل تصنیف ہے۔ جس نے حضور نبی کریم ﷺ کے حیات طیبہ مبارکہ کے مختلف پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ ﷺ کے پیدائش سے لیکر آپ ﷺ کی وفات تک تمام حالات کو انتہائی دلنشین انداز اور علمی پیرائے میں بیان کر دیا ہے۔
- علامہ صاحب نے کتب سیرت اور تاریخ کی تدوین اور اشاعت سے بھی بحث کی ہے۔ اور جن اکابر کے جہود سے یہ علم پروان چڑھا۔ انکو خراج تحسین پیش کرنے کیساتھ ساتھ، انکے علمی کام کو نقد اور تحقیق کی نگاہ سے جانچا۔ اور انکے مراتب متعین کئے۔
- آپ نے درست واقعات تک رسائی اور من گھڑت و مبالغہ آمیز قصص سے اجتناب کیلئے اصول روایت و درایت متعین کئے۔
- اخطا اور اغلاط سے مکمل پاک کلام، یا تو کلام الٰہی ہے۔ یا کلام رسول اللہ ﷺ، باقی کوئی شخص کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو۔ کبھی راجح اور مرجوح کے انتخاب میں اس سے سہوا ہو جاتا ہے۔ کتاب سیرت النبی ﷺ کے مطالعے کے دوران قاری کو بعض مقامات پر یہی احساس ہو جاتا ہے۔

اس بات کی اشد ضرورت ہے۔ کہ جن واقعات کے نقل کے بعد، مؤلف نے جمہور کی رائے سے انحراف کیا ہے۔ اور ایک الگ رائے اختیار کی ہے۔ اُن واقعات کی روایت و درایت کے پیمانے سے تحقیق ہو جائے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

---

1 - شبلی نعمانی، سیرت النبی: ج 1، ص 58

2 - مثلاً محدثین کا پہلا اصول ہے۔ کہ روایت کا سلسلہ اصل واقعہ تک کہیں منقطع نہ ہونے پائے۔ لیکن مغازی کا بڑا حصہ امام زہری سے

منقول ہے۔اور انکی اکثر روایتیں جو سیرت ابن ہشام اور طبقات ابن سعد میں مذکور ہیں ۔وہ منقطع ہیں۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی: ج1، ص62

[3] - شبلی، سیرت النبی: ج1، ص58

[4] - شبلی، سیرت النبی: ج1، ص59

[5] - کتاب التوسل صفحہ 101

[6] - شبلی، سیرت النبی: ج1، ص60

[7]-ابن الصلاح، ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمان، علوم الحدیث: ص20

[8]-ابن الصلاح، ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمان، علوم الحدیث: ص20

[9]-ابن سید الناس، عیون الاثر: ج1، ص29

[10]-ابن جریر، تاریخ الامم والملوک: ج2، ص166

[11]-ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ج3، ص597

[12]-ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ج3، ص597

[13]-ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ج3، ص597

[14]-ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ج3، ص597

[15]- ابن حجر، فتح الباری: ج1، ص199

[16] - سرداران قریش نے اس راہب سے کہا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ نبی ہے۔ تو راہب نے کہا کہ جس وقت آپ سب گھاٹی سے نکلے تو کوئی شجر اور حجر ایسا باقی نہ رہا جس نے سجدہ نہ کیا ہو۔ اور شجر اور حجر نبی ہی کے لئے سجدہ کر سکتے ہیں۔ اور علاوہ ازیں میں آپ کو مہر نبوت سے بھی پہچانتا ہوں۔ابن سید الناس، عیون الاثر: ج1، ص41

[17] - ابن سید الناس، عیون الاثر: ج1، ص41، زرقانی: ج1، ص194

[18] - شبلی، سیرت النبی: ج1، ص128 –129

[19] - سنن ترمذی، باب النبوہ: ج2، ص302

[20] - کلمہ غریب بمعنی منفرد ہے۔ کبھی اس سے مراد یہ ہوتا ہے۔ کہ یہ روایت کسی خاص شخص سے منقول ہے اور اسکے علاوہ کسی دوسرے سے منقول نہیں۔ اور کبھی غریب باعتبار نسبت ہوتا ہے۔ کہ یہ طریق باعتبار کسی خاص راوی کے منفرد ہے۔ کیونکہ دیگر طرق میں اس خاص راوی کی بجائے دوسرے راویوں کا ذکر ہے۔ بہر حال اسکے صحیح یا ضعیف ہونے کا مدار اسکے رواۃ پر ہے۔ اگر اسکے رواۃ، ثقہ ہوں اور حدیث متصل السند ہو۔ اور شاذ و معلل نہ ہو۔ تو صحیح ہوگا۔ ورنہ نہیں۔

[21] - حاکم، المستدرک، باب استغفار: ج2، ص22

[22] - سیوطی، الخصائص الکبریٰ: ج1، ص84

[23] - ابن حجر، الاصابہ

[24] - ابن قیم، زاد المعاد: ج1، ص17

[25] - ملا علی قاری، مرقاۃ المصابیح شرح المشکوٰۃ: ج5، ص272

[26] - سورۃ الانعام: آیۃ 76-78

27 - شبلی نعمانی، سیرت النبی: ج1، ص141

28 - وَكَذَٰلِكَ نُرِيٓ إِبۡرَٰهِيمَ مَلَكُوتَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ وَلِيَكُونَ مِنَ ٱلۡمُوقِنِينَ- سورۃالانعام: آیۃ75

29 - قال ابن کثیر: والحق إن إبراهيم كان في هذا المقام مناظرا لقومه مبينا لهم بطلان ما كانوا عليه من عبادة الهياكل والأصنام: ابن کثیر، محمد، تفسیر القرآن العظیم: ج6، ص97

30 - اشرف علی تھانوی، تفسیر بیان القرآن: ج1، ص668

31 - شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی: ج1، ص228

32 - سورہ توبہ: آیۃ113

33 - سورۃ قصص: آیۃ56

34 - بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، باب قصۃ ابی طالب: ج5، ص52، رقم الحدیث 3884

35 - شبلی، سیرت النبی: ج1، ص165 — 166

36 - بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، باب قصۃ ابی طالب: ج5، ص52، رقم الحدیث 3883

37 - مسلم بن الحجاج، المسند الصحیح، کتاب الایمان، باب دعوۃ الکافر إلی الإسلام: ج1، ص40

38 - نسائی، احمد بن شعیب، المجتبی من السنن: ج4، ص90، رقم الحدیث 2035

39 - قال ابن الصلاح: مرسَلُ الصحابيّ مثل ما يرويه "ابنُ عباس" وغيرُه من إحداثِ الصحابةِ عن رسول الله ولم يسمعوه منه لأن ذلك في حكم الموصولِ المسند لأن روايتهم عن الصحابة والجهالةُ بالصحابيّ غيرُ قادحة لأن الصحابة كلهم عُدول: مقدمۃ ابن الصلاح (ص: 212)

40 - بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، باب قصۃ ابی طالب: ج5، ص52، رقم الحدیث 3883

41 - وقال الصنعاني: "المشهور إن المنقطع ما سقط عن رواته راو واحد غير الصحابي: توضيح الأفكار: (293/1)

42 - والمنقطع حديثٌ ضعيفٌ وعلّته السّقط في الإسناد وعدم معرفة الراوي المحذوف هل هو ثقة أو متروك.

43 - شبلی، سیرت النبی: ج1، ص43

44 - شبلی، سیرت النبی: ج1، ص58

45 - شبلی، سیرت النبی: ج1، ص61

46 - ابو داود، سلیمان بن الأشعث، سنن، کتاب الجنائز، باب الرجل یموت لہ قرابۃ مشرک: ج3، ص206، رقم الحدیث: 3216